آئینہ ماہ و سال (آپ بیتی اور جگ بیتی ایک ساتھ) کا موضوعاتی مطالعہ

Key word: Autobiography # Urdu Literature # Significance # Assessment # Distinguished # literary rivalries # Memories # history #

ڈاکٹر نازیہ راحت
صدرِ شعبہ اردو لیکچرار، یونیورسٹی آف اوکاڑا، اوکاڑا
ڈاکٹر کنزہ نوشیر
وزٹینگ لیکچرار، یونیورسٹی آف اوکاڑا، اوکاڑا

Abstract: Inam ul Haq Javed is a versatile individual and a diverse creator. He actively participates in various literary pursuits, setting himself apart with the distinctive nature of his creative endeavors. His works stand out, characterized by the uniqueness of his creative experiences. Inam ul Haq possesses an extensive reservoir of both external and internal observations, skillfully expressing them and mastering the art of effective presentation. In his literary work, "In AapBeiti," Inam ul Haq looks into intricate details about his family, recounting migration experiences, cherishing fond memories of his childhood and college years. He reflects on his employment history, engages in discussions about politics, and shares recollections of the days

and nights spent in different cities. The style and presentation of his writing are vibrant and lively, unraveling various facets of his life in an impartial manner. In this article, the researcher highlight the thematic review of Inamul Haq's autobiography ❝Ayna Mah O saal ❝(Autobiography and social biography together).

آپ بیتی کے لغوی معنی" ذاتی سرگزشت " یا جگ بیتی کے ہیں۔انگریزی زبان میں اس کے لیے Self Biography اور Auto Biography جیسے لفظ مستعمل ہیں۔آپ بیتی دو یونانی لفظ Auto اور Biography سے مل کر بنا ہے۔جس کے معنی خود اور سوانح یعنی خودنوشت اور سوانح کے ہیں۔اپنی ذات اپنی شخصیت کے حوالے سے اظہارِ حقیقت کو آپ بیتی کہتے ہیں۔آکسفورڈ ڈکشنری میں Auto Biography کی تعریف یوں درج ہے۔ا ے ❝The Story of Persons life Written by that Person" آپ بیتی دراصل خودشناسی کاایک ایسا مرحلہ ہے جس میں آپ کو اپنی ذات پر قلم اٹھانا پڑتا ہے اپنی کئی کمزوریوں کو صفحہ قرطاس پر اتارنا پڑتا ہے اسکے ساتھ ساتھ ادبی قرینوں کا لحاظ بھی رکھنا پڑتا ہے،لیکن اس کا ایک رنگ بہت خوابیدہ ہے کہ اس سے تاریخ کا ایک عہد بھی رقم ہو رہا ہوتا ہے اور اُن میں زیادہ تر شخصیات اپنی زندگی کے غیر معمولی واقعات کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کرتی ہیں اور کچھ اپنی ذات کے کئی پنہاں گوشوں پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔آپ بیتی مخصوص دور کی تمام تر تہذیبی ،سیاسی ، سماجی،معاشرتی اور جغرافیائی صورتِ حال کی نمائندگی کرتی ہے۔مصنف کے عہد میں جو بھی رسم ورواج ،اطوار ،تہذیب ، سیاست یا کسی بھی قسم کے واقعات ہوں اُن کی آپ بیتی میں نمایاں حیثیت ہوتی ہے ۔آپ بیتی ناصرف احوال وواقعات کا مجموعہ ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات کہنے اور لکھنے والے کی داخلی کیفیات،احساسات،شخصی وعملی تجربات اور زندگی کے ہر پہلو کی ترجمانی کرتی ہے۔آپ بیتی کے اندر ادب،تاریخ ،معاشرت،سیاست،تہذیب،سماج غرض ہر موضوع پر مواد ملتا ہے۔ہماری عام طور پر خودنوشت نگار سے توقع تو یہی ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں پیش

آنے والے نشیب وفراز کو بغیر کسی کمی بیشی کے صاف صاف انداز میں لکھ دے لیکن اپنی ذات کو مبالغہ آرائی سے بچانا یا اپنی ذات کی نفی کرنا ہر دو چند ایک مشکل کام ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اپنی ذات کا سکہ بٹھایا جائے کبھی کبھی انکساری کی کسی منزل پر ہم اپنی ذات کے صحیح نقوش نہیں ابھرنے دیتے تو ایسی صورتِ حال میں آپ بیتی لکھنا اتنا آسان کام نہیں بلکہ اب اس کا شمار ادب کی معتبر اصناف میں ہوتا ہے تاریخ نویسی کے ضمن میں آپ بیتیاں ایک بلند مرتبہ حوالہ ہیں۔ اس حوالے سے مجتبیٰ حسین رقم طراز ہیں :

> ''آپ بیتی میں صفات کا لبادہ اتار کر ذات کو عریاں کرنا معمولی دل گردے کا کام نہیں ہے۔ اپنی ذات کو اس طرح دیکھ کر بھی رونا آتا ہے کبھی ہنسی۔ خود نوشت سوانح حیات میں آخری منزل فنا اور بقا کی ہے۔ اپنے آپ کو باقی سب سے اہم رکھا جائے پر ہم سب کا مسئلہ ہے۔ آپ بیتی میں بقا کا تقاضا اپنے آپ کو فنا کیے بغیر ممکن نہیں۔''۲؎

آپ بیتی کا فن وسیع وعریض عنوانات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فن میں بے پناہ موضوعات موجود ہیں۔ کیونکہ ہر لکھنے والا مختلف نظریات وخیالات رکھتا ہے۔ قدیم آپ بیتیاں مختلف اشخاص کی اندرونی تحریک کے باعث لکھی گئیں ، جن میں سفری روداد ، ادبی تحریکات ،قیدوبند کے حالات ، عشق حقیقی یا عشق مجازی کی داستان اور صوفیانہ طرزِ عمل کی آبیاری کے لیے بھی آپ بیتیاں لکھی گئیں ہیں۔ ان آپ بیتیوں کی شکل میں ہمارا ادب، زبان، تاریخ، تہذیب، معاشرتی انقلابات اور اس قسم کے بیسیوں چیزیں محفوظ ہو گئی ہیں اس لیے آپ بیتی ہر قاری کی پسندیدہ صنف ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں :

> ''اپنی کہانی لکھتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ایک یہ کے سارے واقعات پورے طور پر بیان کر دیئے جائیں۔ اخفائے حق نہ کیا جائے کیوں کے اگر اخفا رکھا جائے تو شخصیت کی زندگی کے وہ گوشے منہا ہو جائیں گے اور جو مکمل انسان پیش کرنے کی بات ہے وہ بھی ممکن نہ ہو سکے گی اور دوسری یہ ہے مشہور انگریزی مثل کہ خواہش تخیل کی ماں ہے کو اپنے اوپر صادق نہ ہونے دے۔ اس خواہش نے تخیل پر قبضہ پایا تو لکھنے والے نے واقعات کی صورت مسخ کر دی ہے۔''۳؎

اکیسویں صدی میں لکھی گئی آپ بیتیوں کے موضوعات میں وسعت آئی ہے

۔ان آپ بیتیوں میں سائنسی طرزِفکر جدید ادبی رجحانات کے علاوہ بدلتے ہوئے عصری تقاضوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔آپ بیتی کے فن کے حوالے سے اکیسویں صدی میں بہت سی آپ بیتیاں منظر عام پر آئیں جن میں ڈاکٹر سلیم اختر کی آپ بیتی'' نشانِ جگر سوختہ ''،رضا علی عابدی'' ریڈیو کے دن''،انتظار حسین'' جستجو''،شارعزیز بٹ'' گئے دنو کا سراغ''،فرخندہ بخاری'' یہ بازی عشق کی بازی ہے'' ،حبیب جالب'' جالب بیتی''،جاوید ہاشمی ،''ہاں!میں باغی ہوں'' ،کشور ناہید''بری عورت کی کتھا'' ،یاسر جواد'' کتاب کہانی'' ،نجم الحسن رضوی'' آوازپا'' ،ماہ پارہ صفدر '' میری کہانی ''،فتح محمد ملک'' آشیانہ غربت سے آشیاں در آشیاں ،رشید امجد''عاشقی صبر طلب'' ، صدف مرزا'' برگد ''حمید شاہد''خوشبو کی دیوار کے پیچھے'' ،علی اکبر ناطق''آباد ہوئے برباد ہوئے'' اور انعام الحق جاوید کی'' آئینہ ماہ وسال '' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔راقمہ نے جب انعام الحق کی آپ بیتی کا مطالعہ کیا تو اس میں کئی بیش بہا موضوع سامنے آئے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید اکیسویں صدی کے نامور شاعر ،نثر نگار محقق اور نقاد ہیں۔ڈاکٹر انعام الحق جاوید ۶ جون ۱۹۴۹ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ان کے والد مکرم صوفی غلام حسین حیدری فوج میں ملازم تھے۔انھیں اپنی فوجی ملازمت کے دوران وکٹوریہ کراس تمغہ پاکستان اور دیگر بہت سے میڈلوں کے علاوہ ستارہ حرب بھی ملا ۔ابتدائی تعلیم کینٹ کنڈرگارٹن پرائمری سکول سے حاصل کی۔میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول نمبرون ڈی آئی خان سے کیا۔گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے بی اے کیا۔ ۱۹۶۷ء میں ایم اے اُردو ، ۱۹۷۸ء میں ایم اے پنجابی اور ۱۹۸۵ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری مکمل کی ۔انھوں نے ادبی زندگی کا آغاز چھٹی جماعت سے کیا۔ان کی غزلیں اس زمانے کے مقامی اخبارات میں چھپتی تھیں لیکن باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۷۴ میں لاہور جانے کے بعد کیا۔تب ان کی پہلی غزل لاہور سے نکلنے والا رسالہ فنون میں دسمبر ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔

نہیں کہتا کوئی اپنی زباں سے
مگر حالات باہر ہیں یہاں سے
ہم اس گلشن کے دشمن تو نہیں ہیں
فقط نا متفق ہیں باغباں سے ۴

انعام الحق نے اپنے طویل ادبی کیریئر میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے میدانِ ادب میں اپنی منفرد و امتیازی شناخت قائم کی اور اسلوب میں اپنی

ایک الگ بستی بسائی ہے۔وہ ۶۲ سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔جب کے اکادمی ادبیاتِ پاکستان کے نزدیک پاکستانی ادب کاایک سوا کتالیسواں معمار بھی ۔ڈاکٹر انعام الحق کی آپ بیتی آئینہ ماہ وسال ۲۰۲۲ءمیں منصہ شہود پر آئی ۔یہ آپ بیتی ۹۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔آپ بیتی کا انتساب مصنف نے اپنے دوست نامور صحافی محمد عبد السلام کے نام کیا ہے۔آپ بیتی آئینہ ماہ وسال ۱۹۷۳ء سے ۲۰۱۷ءتک کی ڈائریوں کے لفظی عکس پر مبنی ہے۔اس میں پینتالیس سالوں میں لکھی گۓ پینتالیس ڈائریاں شامل ہیں۔ڈاکٹر انعام الحق جاوید آپ بیتی کے آغاز میں لکھتے ہیں :

> ''زندگی ایک سفر ہےاور میں نے زندگی کے ۷۰ سالہ سفر میں جو کچھ دیکھا صرف اس کی چند جھلکیاں اس کتاب میں پیش ہیں۔۔۔اس کتاب میں آپ بیتیاں بھی ہیں ،ملاپ بیتیاں بھی، فلاپ بیتیاں بھی ،عذاب بیتیاں بھی ،شباب بیتیاں بھی اور کتاب بتیاں بھی تاہم یہ جگ بیتی سے الگ بیتی ہے یعنی بے سبب بیتی ہے۔اس کے بعض حصوں کو آپ حاصلِ مطالعہ بھی کہے سکتے ہیں ۔''۵

یہ آپ بیتی نا صرف ادبی ڈائری ہےاور نہ ہی اس میں خالص ادبی چیزیں ہیں بلکہ یہ زندگی کہ ہر شعبے سے متعلق ہے۔اس میں سیاست وحکمت ، افسانچے ،شگفتا نچے اور انشائیانچے ،خطوط اور خاکے ،فکاہیے اور مزاحیے ،سماجی ومعاشرتی وانفرادی حوالے سے دانش و دانائی کے مرقعے ، تقریریں ، لفظی تصویریں ،اقوال واحوال ،تجربات ومشاہدات ،ذات وکائنات اور مسائلِ حیات وممات وغیرہ شامل ہیں۔آپ بیتی میں مصنف نے خواتین کے تشخص ،مختلف مسائل ،عزت ووقار کے ساتھ اُن کے حقوق کو بھی یقینی بنایا ہے۔روزِ اول سے معاشرے کی تشکیل وارتقا میں عورت مرد کے ساتھ کاندھا ملا کر چلتی رہی ہے لیکن معاشرے نے اُسے مرد کی برابری کا درجہ نہیں دیا ۔کائنات کے ساتھ اپنے رفیقِ حیات پر بھی بالادستی وبرتری قائم رکھنے کی کوشش کی اور سائے کی طرح ساتھ رہنے والی عورت کو لاشعوری طور پر اِحساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا ہے ۔ڈاکٹر انعام الحق آپ بیتی میں عورت کے حقوق اور مساوات وبرابری کی حمایت کرتے ہیں۔ان کے یہاں وجودِ زن اور دینِ اخلاق جیسے موضوعات بھی ملتے ہیں۔ ۳۱ جولائی ۱۹۷۵ کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔زن مرید اور رن مرید کا لفظ ان میں عام گردش کرتا ہے

۔بحیثیت انسان دیکھا جائے تو عورت اور مرد دونوں انسان ہیں اور دونوں کی خواہشات کا احترام لازمی ہے لیکن ہمارے معاشرے میں مرد کو بے جا اختیارات ملے ہوئے ہیں۔ اور وہ اسے روایتی طریقے سے استعمال کرتا ہے۔۔۔متوسط طبقہ اس لحاظ سے بہت خراب ہو رہا ہے۔''۶؎

آپ بیتی میں مصنف نے اپنے بچپن کے حالات کے ساتھ ساتھ اس دور کی اہم سیاسی شخصیات اور اُن سے وابستہ واقعات کو بھی بیان کیا ہے۔ سیاست انسانی زندگی کا اہم حصہ ہے۔ ادیب اپنے معاشرتی و سیاسی حالات سے بہت متاثر ہوتا ہے اور اپنے اردگرد پھیلی سیاست کو اپنی تحریروں میں بیان کرتا ہے۔ آئینہ ماہ وصال میں مصنف نے سیاسی داؤ پیچ ، ضمیر اور بے ضمیری کی کیفیت اور عوام کے جذبات سے کھلواڑ کے نقشے بھی بڑی عمدگی سے پیش کیے ہیں بلکہ انھوں نے عصری حسیت سے کام لیتے ہوئے محکوم اور مظلوم لوگوں کے استحصال پر بڑے کھلے انداز میں بات کی ہے۔ اکثر سیاسی آپ بیتیاں وہی لوگ لکھتے ہیں جن کا تعلق سیاست سے رہا ہو۔ انعام الحق جاوید کا تعلق سیاست سے نہیں لیکن یہ ان کے شعور کی بلند پروازی ہے کہ وہ پردے کے اس طرف ہونے والے کھیل سے بھی آگاہی رکھتے ہیں۔ انعام الحق نے ہر دور کی سیاست اس وقت کی ہنگامی صورتِ حال ، سیاسی کشمکش اور اقتصادی بحران غرضیکہ ملک جن سیاسی حالات اور المیوں کا شکار ہوا اپنے تئیں اُسے اپنی تحریر کا حصہ بنایا۔ مصنف نے سیاسی لیڈروں کی طنزیہ تصویر پیش کی ہے اور ان کی اصل حقیقت دکھائی ہے کہ الیکشن کے دور میں سیکرٹری شپ کا امیدوار کس طرح صدارت کی کرسی سنبھالنے کی فکر میں تگ و دو کرتا ہے۔ ہر سیاست دان اپنا اپنا ڈھول ڈھنڈورا پیٹنے میں مصروف ہوتا ہے اُن میں کچھ تو پرانے تعلقات کا واسطہ دیتے ہیں اور کچھ اُمیدوار اشعار ، گانوں اور ڈھول کی تھاپ کے ساتھ رنگین حال اور بہترین مستقبل کے خواب دکھاتے ہیں۔ جیسے وزیر اعظم لیاقت علی خان ، بھٹو اور اصغر خان وغیرہ کے ادوار کی عمدہ لفاظی تصویر کشی پیش کی ہے۔ حلقے کے مختلف اجلاسوں کی روداد پیش کرتے ہوئے واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ رقم کیا ہے۔

سوانحی کوائف کے ساتھ ساتھ اس دور کی اہم تحریکیں جن میں ترقی پسند تحریک ، حلقہ اربابِ ذوق کی ادبی خدمات ، حلقہ اربابِ غالب سے بھی قارئین روشناس ہوتے ہیں ۔ انعام الحق کی زندگی میں فلم ، تھیٹر کے حوالے سے بے شمار یادیں اور واقعات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اُردو ڈرامہ و تھیٹر کے احیا اور دیگر ثقافتی پروگراموں کے

حوالے سے بے شمار فنکاروں ، اداکاروں ،گلوکاروں اورڈ رامہ نگاروں کا ذکر بھی مصنف نے بڑے دلچسپ پیرائے میں کیا ہے ۔اُس دور کی مشہور فلمی اور گائیک شخصیات اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ نظر آتی ہیں ۔وہ واقعات کو بیان کرتے ہوئے ایسی تصویر کھینچتے ہیں قاری کو کسی بھی جگہ بے رنگی ، اکتاہٹ یا تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔مصنف کی قوتِ مشاہدہ اورشخصی معلومات کی داد دینا پڑتی ہے ۔یہ ناصرف آپ بیتی بلکہ ایک لحاظ سے جگ بیتی کے اوصاف بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

جدید ادبی رجحانات کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے مختلف ادوار کی ادبی شخصیات کا تذکرہ کیا ہے ۔زمانہ طالب علمی سے عصر حاضر تک اردوادب سے وابستہ جن شخصیات کے ساتھ مصنف کی بیٹھک رہی اُن سے تعلقات کی پوری روداد آپ بیتی کو ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت عطا کرتی ہے ۔انھوں نے کثیر تعداد میں اپنے ادبی دوستوں کا ذکر کیا ہے ۔آپ بیتی کا زیادہ تر حصہ حلقہ ادب کے دوستوں سے بھر پور ہے ۔ مختلف کتب کی نمائشی تقریبات میں ادبی شخصیات کا اکھٹا ہونا جیسے نیشنل سنٹر میں ۶ بجے عبدالعزیز خالد کی کتاب" عبارِشبنم " کی تقریب ۶ جولائی ۱۹۷۸ء میں منعقد ہوئی۔جس میں عارف عبدالمتین ،مرزا ادیب ،اعزاز احمد آذر،تحسین فراقی اور خالد علیم نے نظمیں سنائیں ۔ جیسے ٹاون ہال لاہور میں یوم حمید نظامی کی تقریب کا جشن ،انور سدید کا احمد ندیم قاسمی کی شاعری پر لکھنے کا واقعہ ،عمر خیام کی خمریات کا انگریزی میں فٹز جیر الڈ کا ترجمہ کرنے کا ذکر ،عصمت چغتائی کی لاہور میں ہونے والی ایک تقریب کے واقعات ،احمد ندیم قاسمی کی واپڈا آڈیٹوریم میں سالگرہ کی تقریب جس کی صدارت امجد اسلام امجد نے کی ،حبیب جالب کی سالگرہ جس میں عطا الحق قاسمی کا مضمون پڑھنا، احمد ندیم قاسمی کی شرکت ،صوفی تبسم ،عطاالحق قاسمی کی کتاب روزنِ دیوار کی تقریب اوران شخصیات کی مختلف ادبی کتب پر ملنے والے انعامات کا ذکر بھی ملتا ہے ۔ مصنف نے مختلف کتب پر ملنے والے آدم جی ادبی انعام اورداؤد ادبی انعام کا ذکر کیا ہے ۔آدم جی ادبی انعامات میں زرگزشت مشتاق احمد یوسفی،محیط احمد ندیم قاسمی ،اس بستی کے اک کوچے میں ابن اانشاءاور داؤد ادبی انعامات ،امیر خسرو دہلوی ممتاز حسین ،توازن محمد علی صدیقی ،ادب اور لاشعور ڈاکٹر سلیم اختر وغیرہ شامل ہیں۔

۱۹۷۳ء کی ڈائری میں مصنف نے ایہام گو شعرا کے چند اشعار بھی درج کیے ہیں ۔جن میں سودا،آبرو ،مضمون ،میر حسن امیر خسرو اور رعایت لفظی کے اعتبار سے آتش ،ناسخ اور وزیر کا کلام بھی ملتا ہے:

کیا کہیے ایک عمر میں وے لب ہلے تھے کچھ

سو بات پان کھاتے ہوئے وہ چبا گیا ۷

انعام الحق نے اپنے اعلیٰ ادبی اور شعری ذوق کے تحت اردو اور فارسی کے خوبصورت اشعار سے بھی آپ بیتی کو مزین کیا ہے۔ کلاسیکل شعراء کا کلام بھی شامل کیا ہے اور ایک ایک شعر مصنف کے علمی وشعری ذوق کا غماز ہے۔ فارسی شعرا میں بیدل اور صائب جو کہ ہم عصر تھے اُن کے کلام میں سے چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے ہیں اور قاری کی سہولت کے لیے اُن کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے مثال ملاحظہ ہو :

بر تواضعہائے دشمن تکیہ کردن ابلہیست

پائے بوسِ سیل از پا افگند دیوار را

ترجمہ: دشمن کی بے پناہ تواضع (یعنی گھٹنوں اور پاؤں کو چھو کر ادب کرنا) پر تکیہ کرنا احمقانہ پن ہے۔ وہ سیلاب جو دیوار کے پاؤں کو بوسہ دے رہا ہوتا ہے دیوار کے پاؤں اکھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

صائب کا شعر ملاحظہ ہو:

اگر دشمن دوتا گردد بہ تعظیمش مشو غافل

کماں ہر چند خم گردد خدنگش دور تر گردد ۸

ترجمہ: اگر دشمن جھک کر (دوہرا ہو ہوکر (ملے تو اس کے طرزِ تعظیم سے غافل ہو۔ کمان جتنی زیادہ خم (دوہری (تیر اتنا ہی دور تک جاتا ہے۔ غنی کاشمری کا یہ شعر بھی کمال کا ہے۔

خطِ سبزت بہ رُخِ سبز مرا کرا اسیر

دامِ ہمرا نگ زمین بود گرفتار شدم ۹

مصنف نے آپ بیتی میں زمانے کے حالات کے مطابق مختلف شعرا کے اشعار بھی درج کیے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ شاعری کا آپس میں براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا لیکن اگر شاعر چاہے تو بن بھی سکتا ہے۔ کیونکہ شاعر کے تخیل کی پرواز ہر سلطنت میں بلا روک ٹوک کی جاسکتی ہے ۔اس سلسلے میں مصنف نے انکم ٹیکس کمشنر عبد العزیز خالد کا شعر درج کیا ہے :

جب میں نے کہا بقول مرداں

عورت کی نہیں، نہیں نہیں ہے

تو بولی بدل گیا زمانہ

اب ہاں ہاں ہے اور نہیں نہیں ہے ۱۰؎

انعام الحق نے آپ بیتی میں اُردو ادب سے فطری لگاؤ اور بچپن سے شعر وسخن کی طرف مائل ہونے کے بارے بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔انھوں نے اپنے منفرد شعری ذوق کے تحت فارسی اور اردو کے شعرا کے اشعار کے حوالے بھی دئیے ہیں۔ان اشعار کو موقع محل کی مناسبت اور موضوع کے حوالے سے برجستگی کے ساتھ شامل کیا۔شعرا میں شاد عظیم آبادی کا تذکرہ ، اقبال ،غالب ، مومن،حسرت موہانی ،سید ضمیر جعفری ،پروین شاکر پشتو شاعر خوشحال علی خان خٹک کے اشعار کا ترجمہ ، فیض احمد فیض ،رئیس امروہوی ،اور منیر نیازی کے چند اشعار کا موزانہ بھی کیا ہے۔رئیس امروہوی کے مجموعہ کلام'' الف '' میں یہ قطعہ موجود ہے ۔رئیس اُمروہوی کا قطعہ زیادہ مقبول نا ہوسکا لیکن منیر نیازی کی غزل کا یہ شعر زبان وزدِ خاص وعام ہوگیا :مثال ملاحظہ ہو :

خاموش زندگی جو بسر کر رہے ہیں ہم
گہرے سمندروں میں سفر کر رہے ہم
ہم اپنی زندگی تو بسر کر چکے رئیس!
یہ کس کی زیست ہے جو بسر کر رہے ہیں ہم

ان دونوں شعروں میں ایک باریک سا فرق ہے جس سے منیر نیازی کا یہ شعر بہت اوپر چلا گیا شعر ملاحظہ ہو :

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
زیست میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا۱۱؎

انعام الحق نے ادبی شخصیت کے ساتھ ساتھ تاریخی شخصیت کا تذکرہ بھی کیا ہے ۔جس میں چینی تاریخ برنارڈ شاہ شاہنواز پہلوان کا تذکرہ ہے شاہنواز ملتان کا رہنے والا تھا ۱۸۹۲ء میں رستمِ ہند کا خطاب ملا ۔مصنف نے شاہنواز کا حلیہ،رہن سہن،خوراک ،ریاست بیماری کے متعلق تفصیلی بات کی ہے۔اس کے علاوہ محمد ظہیر الدین بابر کی تزک بابری کے بارے میں لکھا ہے ۔ بابر بڑا علم دوست اور شاعر نواز آدمی تھا اپنی یاداشتیں '' تزکِ بابری ''،میں لکھیں جس میں مختلف شعرا کی تعریف اور حالات بھی درج کیے ہیں شخیم بیگ کے تخلص ان کے اشعار ان کے الفاظ کے حوالے بھی دئیے ہیں شخیم سہیل تخلص کرتا تھا اس لیے سہیل مشہور ہوا۔مولانا جامی کے سامنے جب شعر پڑتے تو انھوں نے ہنس کر کہا سہیل تم شعر پڑھتے ہوں کہ آدمی کو ڈراتے ہوں۔ ہنری ایسٹ تزک بابری کے حوالے سے جو رائے رکھتے تھے مصنف نے آپ بیتی میں درج کی ہے مثال ملاحظہ ہو:

’’یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات کے لیے اہم ہے بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی ہے اور اس کا مشاہدہ کتنا قوی ہے اس میں اس نے یہاں کے پھلوں ،پھولوں ،درختوں ،پرندوں ،چوپایوں کی عادات وخصوصیات سے متعلق اتنی مفید معلومات رقم کی ہیں کہ ماہرین حیوانات ونباتات بھی ان سے بھر پور استفادہ کر سکتے ہیں۔‘‘۱۲؎

علاوہ ازیں لاہور شہر کی مخصوص ادبی فضا کا تذکرہ آپ بیتی کے بیشتر حصے میں دکھائی دیتا ہے۔لاہور شہر طویل عرصے سے تہذیبی علمی،ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔پاک ٹی ہاؤس میں ادبی مصروفیات اور اس ضمن میں ساتھی ادیبوں کے شاندار خاکے آپ بیتی کی ادبی شان میں بے حد اضافہ کرتے ہیں۔لاہور کی سیر وسیاحت کے دوران انھوں نے جو کچھ دیکھا اُسے آپ بیتی میں پیش کر دیا۔لاہور کی ادبی زندگی کے ماحول کا نقشہ بھی آپ بیتی میں نہایت خوبصورتی سے کھینچا ہے۔واقعات کی تفصیل صاف اور سادہ انداز میں بیان کی گئی ہے کہیں کہیں فلسفیانہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔آپ بیتی میں پاکستان بننے سے لے کر عہد حاضر تک کی تہذیبی معاشرت اور لاہور شہر کی ثقافتی تصویریں نمایاں نظر آتی ہیں۔جیسے داتا دربار ،شالیمار باغ ،شاہجہان ,مال روڈ کے یادگار نظارے، چیرانگ کراس اور لاہور شہر کا دل انارکلی بازار اور اس کی چہل پہل کو بھی بیان کیا ہے۔اس شہر کے حسن کے چرچے مال روڈ کی خوبصورتی ،بادشاہی مسجد کے مینار اور شاہی قلعہ سبھی لاہور کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔مصنف جزئیات نگاری کے رموز سے بخوبی آشنا ہیں۔آپ بیتی میں جہاں کہیں واقعات بیان ہوئے ہیں وہاں وہ قصہ سناتے سناتے معمولی سے معمولی باتوں کی تفصیلات اور جزئیات کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

’’یہ لاہور ہے۔یہاں کی رنگینیاں ،نیرنگیاں اُس گلی سے انارکلی تک پھیلی ہوئی ہیں۔یہاں کی انارکلی فلم اسٹوڈیو کا اہم حصہ ہے لیکن یہاں شوٹنگ نہیں ہوتی مقابلہ حسن ہوتا ہے۔خوشبو ہی خوشبو ،کلیاں ہی کلیاں ،نازک سڈول ،سروقد ،پستہ ،پتلی ،موٹی،مشکی ،بادامی اور پھر ہر قسم کا لباس ، ہر عمر کا پیس اور ہر خطے کا خون۔۔۔ٹھیٹھ لاہوری بولتے ہیں اور غیر لاہوریوں کو لوٹنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ذرا آگے لاہوری گیٹ ہے جو بازار حُسن کا گیٹ وے ہے ،اس طرف ابھی نہیں جا سکا اور موچی گیٹ تو آپ نے سنا ہوگا۔۔۔ایک طرف داتا دربار ہے دوسری طرف

شالیمار۔شاہجہان نے بنوایا اور ہم نے دیکھا۔۔۔غیر شادی شدہ
یا نو بیاہتا جوڑے زیادہ ہوتے ہیں۔ enjoy کرنے آتے ہیں
ماہ رُخ ،حسین ،نازنین ،کومل ،چنچل ،کوئی عشق کر رہی ہے
کوئی دل لگی۔''۱۳؎

آپ بیتی کا ایک حصہ لاہور کی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔لاہور کی مشہور شاہراہیں ،پاک ٹی ہاؤس ،تعلیمی مراکز ، لائبریاں ، مذہبی عمارات ، لاہور کی مشہور ادبی شخصیات اور لاہور کے مشہور قدیم بازار وں کا تذکرہ ملتا ہے۔انعام الحق کہتے ہیں لاہور لاہور ہے لیکن اگر اس میں سے انارکلی بازار کو نکال دیا جائے تو لاہور ،لاہور نہیں لگتا کچھ اور بن جاتا ہے اور اگر انارکلی بازار سے عورتوں کو نکال دیا جائے تو انارکلی ،انارکلی نہیں رہتی ،اسی لیے انارکلی کو بعض لوگ پیار گلی کہتے ہیں۔۱۴؎

ثقافت کا سب سے بڑا مظہر میلے ٹھیلے ہوتے ہیں جہاں عوامی کھیل ،عوامی مزاج اور معیار کے مختلف رنگ دیکھنے کو ملتے ہیں۔پاکستان میں جہاں بھی کوئی عرس یا میلہ یا کوئی بھی ثقافتی تہوار ہوتا ہے ہر صوبے سے لوگ جوق در جوق شرکت کرتے ہیں۔ حضرت بری امام کے عرس کا موقع ہو یا سیہون شریف میں سخی شہباز قلندر ،پاکپتن میں بابا فرید ،قصور میں بابا بلھے شاہ یا لاہور میں داتا گنج بخش وغیرہ ہو ان میں لوگ نہایت والہانہ محبت اور عقیدت سے شرکت کرتے ہیں۔'' آئینہ ماہ وسال میں مصنف نے حضرت نظام الدین اولیا ءکی کرامات اُن کے اقوال اور حضرت داتا علی بن ہجویری کا عرس ، کرامات اور اُن کی برصغیر پاک و ہند میں فارسی میں لکھی گئی تصوف کی پہلی کتاب کشف المحجوب کا ذکر بڑی جزئیات کے ساتھ کیا ہے۔

''آج داتا صاحب کے میلے کا دوسرا دن ہے۔یہ عرس ہر سال
حضرت علی بن ہجویری کے لیے منایا جاتا ہے۔ہم بھی عرس دیکھنے
گئے۔۔۔ٹکسالی دروازے سے لے کر چوک بھاٹی گیٹ تک اور
چوک بھاٹی گیٹ سے لے کر چوک اُردو بازار تک رش تھا
۔۔۔بھاٹی چوک میں ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔۔۔سبز رنگ کے
چوغے یا ٹوپیوں والے آگے آگے دھمال ڈال رہے تھے۔ان
کے پیچھے ڈھول والے اور ان کے پیچھے سبز چادر پھیلانے والے
۔۔۔۔یہاں پر اقوال مختلف دانشوروں کے اقوال بھی دہراتے
ہیں۔۱۵؎

یہ آپ بیتی کے ساتھ ساتھ جگ بیتی بھی ہے مصنف نے اس میں مختلف تہذیبوں کا تقابل بھی کیا ہے ۔متفرق ثقافتوں کے متفرق رنگوں نے کتاب کو رنگینی عطا کرتے ہوئے اس کے حسن میں اضافہ کیا ہے ۔مصنف نے مشرقی اور مغربی مما لک کی تہذیب و معاشرت کے اپنے تاثرات ومشاہدات قلمبند کیے ہیں مصنف نے مشرقی اور مغربی طرزِ حیات پر تبصرہ کرتے ہوئے مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں پر تفصلاً بات کی ہے۔معاشرے کی اخلاقی بے راہ روی جنسی بدعنوانی ،ہم جنسی پرستی کا ذکر کیا ہے کے شرقی اور مغربی عورت کے رہن سہن اور طور طریقوں میں کس طرح فرق ہے ۔دراصل ہمارا معاشرہ مختلف تضادات کا شکار ہے۔جس میں ہم اپنے گھر کی عورت کو فرشتہ سمجھتے ہیں اور غیر عورتوں پر انگشت زنی اور جملے کسنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔اس خود فریبی کے عمل میں کئی شرفا کا دخل بھی ہے ۔معاشرے میں ایسے لوگوں کے خاتمے کے لیے اسلامی تعزیرات کا نفاذ ضروری ہے ۔معاشرے کی مجموعی تطہیر کے لیے عورت کا احترام اور چار دیواری کا تحفظ ضروری ہے۔مثال ملاحظہ ہو :

> ''یورپین طرزِ معاشرت کی پروردہ نسل سے ہم کیا توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ جنسی اخلاق کا احترام کرے گی ۔''پکاسو'' اور'' صادقین'' کے تخیل سے تیار ہونے والے یہ ٹیکنی کلر نمونے جب بن سنور کر سرِ بازاریوں گھومتے ہیں کہ بدن کا ہر عضو یوگا کے کسی آسن میں مشغول دکھائی دیتا ہے تو اہلِ نظر اپنی آنکھیں بند کر کے کسی گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ کروانے سے تو رہے ۔۔۔''مونا لیزا''اور ''قلو پطرہ'' کے شجرہ نسب سے تعلق رکھنے والی منقش چہرے والی لڑکیاں جب گھر سے نکلتی ہی اس نیت سے ہیں کہ وہ بازار میں مردوں سے اپنے حسن کے چیک کیش کرائیں تو دادِ حسن دینے والوں کا کیا قصور۔۔۔حوا سے لے کر اپوا تک اور آدم سے لے کر آج کے معمولی خادم تک یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مرد اور عورت کا آپس میں آگ اور پیٹرول کا تعلق ہے۔۔۔اسی طرح اسلام میں باضابطہ شادی کی اجازت دی گئی ہے تا کہ افزائش نسل اور روحانی تسکین سے فوائد حاصل کیے جا سکیں ۔۔۔اسی لیے اسلام میں آزاد جنسی اور مخلوط معاشرے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے ۔''۱۶؎

انعام الحق جاوید نے اس داستانِ حیات میں نہایت بے باکانہ انداز میں اپنے بچپن اور عہد شباب کی کہانی سنائی ہے۔اپنی ذات کے نہاخانوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے وہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔مصنف نے معاشرتی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات کوظرافت کے پیرائے میں نہ صرف پیش کیا ہے بلکہ بڑے خوبصورت انداز میں میں روزمرہ کی سماجی ومعاشرتی زندگی پر بھی طنز کیا ہے۔

انعام الحق جاوید نے بچپن کی بیشتر یادوں کو اُس عہد کی مخصوص تہذیبی معاشرت کے تراوز میں پیش کیا ہے۔انعام الحق موضوع اور اسلوب بیاں کی مدد سے جا بجا مختلف طریقوں سے مزاح پیدا کرنے کا ہنر رکھتے ہیں کہیں محاورات اور روزمرہ کا بے ساختہ برمحل استعمال کہیں اقوال اور فقرے بازی اور کہی لطیفہ گوئی اور جگت بازی سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی۔انھوں نے آپ بیتی میں زیادہ تر اقوال ،جملے فقرے" اقوال ابوالحسن " کے نام سے شامل کیے ہیں۔ان کے اسلوبِ مزاح میں سنجیدگی اورظرافت کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ان کے یہاں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے۔وہ نہ صرف اپنے زمانے کے مسائل اور سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہیں بلکہ اس دور کی اہم شخصیات کو خط بھی لکھتے تھے۔مضحکہ خیز گفتگو قاری کو محظوظ کرتی ہے۔اُن کے مخصوص اسلوبِ بیان نے آپ بیتی میں دلچسپی کا عنصر آخر تک برقرار رکھا ہے۔اس میں مصنف کے بچپن کے واقعات ، اردگرد کے ماحول ،خاندانی حالات ،موروثی عادات ،زمانہ طالب علمی کے ادوار،دوستوں کی حلیہ نگاری مختلف کتب کی رونمائی کی تقریب،مختلف شخصیات کی وفات اوران کی برسی کا تذکرہ اورعہدِشباب کی دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ متنوع علمی،ادبی اور دینی کارناموں کا سراغ بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے ۔شخصیات کے خاکے ایک خاص اسلوب اور بیانیے کے حامل ہیں۔جو متعلقہ شخصیت یا ممدوح کی زندگی اورفکروفن کی بھرپورعکاسی کرتے ہیں۔ ان کا پراثر طرزِ بیان پڑھنے والے کومحصور کر دیتا ہے۔ہر جملہ بہت معنی خیز ،معلومات افزااور پُرمغز ہے۔آپ بیتی مصنف کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کا احاطہ کرتی ہے۔ان کی آپ بیتی کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مزاح کی ہلکی پھلکی جھلک موجود ہے اورکہیں کہیں طنزیہ و استہزائیہ انداز بھی ملتا ہے۔آپ بیتی میں واقعات کو چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت پوری جزئیات وتفصیلات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔مختلف عنوانات اور سرخیوں سے مزین یہ آپ بیتی ادیب کے غیر رسمی اور بے تکلفانہ انداز کی غماز ہے ۔آپ بیتی میں غیرضروری تفاصیل نے آپ بیتی کے فنی حسن کو کسی حدتک مجروح کیا۔

حوالہ جات:

1-Oxford Advanced Learners Dictionary of Current English ,Oxford University Press ,1988,Page 68

۲۔مجتبیٰ حسین ،مشمولہ :مشتاق احمد یوسفی ،"چراغ تلے سے آب گم تک" ۔لاہور: الحمد پبلی کیشنز ،۱۹۹۷،ص ۴۱

۳۔ڈاکٹر تحسین فراقی ۔عبد الماجد درآبادی احوال و آثار ۔لاہور :ادارہ ثقافت اسلامیہ ،۱۹۹۳،ص ۴۱۶

۴۔انعام الحق جاوید ،ڈاکٹر ۔آئینہ ماہ وسال ۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز ۔۲۰۲۲ء،ص ۴۸

۵۔ایضاً،ص ۵۰،۵۱

۶۔ایضاً،ص ۸۴،۸۵

۷۔ایضاً ص، ۶۳

۸۔ایضاً،ص ۳۲۰

۹۔ایضاً،ص، ۳۲۰

۱۰۔ایضاً ص، ۱۷۱

۱۱۔ایضاً،ص ۳۱۲

۱۲۔ایضاً،ص ۳۶۴

۱۳۔ایضاً،ص ۱۹۶

۱۴۔ایضاً،ص ۲۶۴،۲۶۵

۱۵۔ایضاً ص ۱۴۲۔۱۴۳

۱۶۔ایضاً ص ۔۲۸۴،۲۸۵

☆☆☆